

نظریہ اہلیت و قابلیت اسلامی تعلیمات کے تناظر میں

The Concept of Eligibility and Competence in the Light of Islamic Teachings

سجاد حسین *

ڈاکٹر محمد عزیز **

Abstract

Holy Prophet Muhammad (SAW) has practically guided the Muslims in all spheres of life including faith, jurisprudence, economics, politics and social circles. Muslims' ruled the world as long as they followed the Prophet and the Islamic teachings. As soon as they started ignoring the rules of Shari'ah, they fell into a political failure and economic deprivation. Leadership is such an important aspect in which lies the secret of national, political and social development. Leadership is given such importance in Islam that Prophet (SAW) has given special instructions about the eligibility to be the leader of Muslim society. According to Islamic Jurisprudence and the teachings of the Holy Prophet (SAW), leadership can only be given to the eligible and efficient figures. If authority and control is given to some ineligible or incapable people, it is not only unsuitable but a cruelty. Muslim Ummah in general and the public of Pakistan in particular had never so intensely desired for a noble leadership possessing high qualities as they need it today. Pakistani nation has reached the verge of chaos and destruction which is leading to fatal and horrible consequences. The ideology of standard and capability has clearly been interpreted in Qur'an and Sunnah. This is further supported by the practices of the Muslims in the past. This research has focused on gathering the data about ideology of standard and eligibility for the selection/election of individuals according to the Seerah of the Prophet (SAW).

Key Words: Standard , Eligibility, Leadership, Qualities, Sunnah, Political

* ریسرچ اسکالر، ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک تھیالوجی، اسلامیہ کالج پشاور۔

** لیکچرار، ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک تھیالوجی، اسلامیہ کالج پشاور۔

رسول اکرم ﷺ نے طہارت و پاکیزگی سے لے کر زندگی کے تمام شعبوں میں کامل رہنمائی فراہم کی ہے۔ چاہے اس کا تعلق مذہبی معاملات سے ہو یا سیاسی و معاشرتی امور سے۔ امت مسلمہ نے جب تک نبوی اصولوں پر عمل کیا تب تک زمام زمانہ اس کے ہاتھ میں رہی لیکن جب سے ان اصولوں کو ترک کیا محرومی و ناکامی کا سفر تیز تر ہوتا گیا۔ معیار اور اہلیت کو تعلیمات نبویہ میں بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے، معاشرے کی تنظیم و ترقی مقصود ہو تو بہترین امیر اور باصلاحیت قائد چننا اولین و لازم امر ہے۔ ملک و قوم کی قیادت کا مسئلہ وہ اہم امر ہے جس میں ملکی، سیاسی و معاشرتی ترقی کا راز پنہاں ہوتا ہے۔ تعلیمات نبویہ کے مطابق قیادت اسی کو سونپی جائے گی جو اس کا اہل اور عمدہ صلاحیتوں کا حامل ہو۔ کیونکہ کسی بھی کام کی باگ ڈور نااہل کے سپرد کر دینا انتہائی نامناسب ہی نہیں بلکہ صراحتاً ظلم ہے۔ امت مسلمہ اعلیٰ صلاحیتوں کی حامل قیادت کی جس قدر آج ضرورت محسوس کر رہی ہے اس سے پہلے شاید اس شدت کے ساتھ کبھی نہ کی۔ اور تباہی کے جس دہانے پر آکھڑی ہوئی ہے وہ انتہائی مہلک و بھیانک نتائج کا غماز ہے۔ ایسے میں یہ امر اس قدر ضروری ہے کہ قیادت کے چناؤ میں اس معیار و اہلیت کو اختیار کیا جائے جس کی تعلیم نبی اکرم ﷺ کی سیرت مطہرہ کے خوبصورت دریچوں سے ملتی ہے۔

اس امر کی وضاحت و تفصیل میں قرآن حکیم اور سیرت رسول کریم ﷺ میں ان گنت شواہد موجود ہیں اور تاریخ میں اہل اسلام کے عملی شواہد بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ اس مقالہ میں نبوی نظریہ اہلیت و معیار اور افراد کے چناؤ کے طریقہ کار پر دلائل و شواہد جمع کرنے کے بعد نتائج اخذ کیے گئے۔ جس سے قوی امید کی جاسکتی ہے کہ معاشرتی بہتری کے اسلامی و نبوی اصولوں کی تطبیق کا عملی موقع ملے گا اور قارئین کے لئے مزید مطالعہ و تحقیق کی راہ بھی متعین ہوگی۔ اسلام نے قیادت و سیادت کے لئے انتہائی واضح اور سرمدی اصول وضع کیے ہیں۔ ذیل میں ہم قرآن حکیم، سیرت رسول اکرم ﷺ کے ساتھ ساتھ مختلف ائمہ اور ماہرین کی آراء کی روشنی میں ان اصولوں کا مطالعہ کریں گے۔

امانت اہل افراد کے سپرد کرنے کا حکم

قرآن حکیم میں اللہ رب العزت نے ایک مثبت حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا﴾¹

”بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اُن کے اہل کی طرف لوٹاؤ۔“

اگرچہ یہاں حسی امانتیں بھی مراد ہیں لیکن معنوی امانتوں کو اس حکم سے مستثنیٰ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ حسی امانت میں نقصان عموماً کسی ایک فرد کا ہوتا ہے جبکہ معنوی امانتوں میں پورے پورے ادارے اور اقوام متاثر ہوتی ہیں اور تمام مفسرین اس معنی پر متفق ہیں۔

معاشرتی زندگی کا دار و مدار باہمی تعاون پر ہے اسی میں انسانیت کی مصلحت اور بہتری پہننا ہے اسی بنیاد پر لوگ کام کاج کو ایک دوسرے میں بانٹ لیتے ہیں اور جو شخص جس کام کا متخصص اور ماہر ہو اُسے وہ کام سونپ دیا جاتا ہے اس معاملے کی اہمیت و نزاکت اُس حدیث طیبہ سے اُجاگر ہوتی ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِذَا خَرَجَ ثَلَاثَةٌ فِي سَفَرٍ فَلْيُؤَمِّرُوا أَحَدَهُمْ²

”کہ جب تین لوگوں کا گروہ سفر پر نکلے تو ایک اُن کا قائد بن جائے۔“

یہ حکم تو محض چند روزہ عارضی سفر کا ہے جس سے معلوم ہوا کہ جب زندگی کے سفر کا معاملہ ہو اور پورے معاشرے کی تنظیم مقصود ہو تو بہترین امیر اور قائد چننا بدرجہ اولیٰ لازم ہے۔

امانت نااہل کے سپرد کرنے کی مذمت

چاہے چند روزہ عارضی سفر کا معاملہ ہو چاہے پورے ملک و قوم کی قیادت و سیادت کا مسئلہ ہو ہر دور میں قیادت اُسی کو سونپی جائے گی جو اس کا اہل اور اعلیٰ صلاحیتوں کا حامل ہو۔ کیونکہ کسی بھی کام کی باگ ڈور نااہل کے سپرد کر دینا انتہائی نامناسب ہی نہیں بلکہ صراحتاً ظلم بھی ہے۔ اس امر کی سنگینی کا اندازہ صحیح بخاری میں وارد اس حدیث طیبہ سے لگایا جاسکتا ہے:

رسول اکرم ﷺ نے امانت ناہل کے سپرد کرنے کی مذمت بیان کرتے ہوئے اس کے خطرناک نتائج سے آگاہ فرمایا:

إِذَا أَسْنَدَ الْأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ³

”کہ جب معاملات کی باگ ڈور ناہل لوگوں کے سپرد کر دی جائے تو قیامت کا انتظار کرنا۔“

علامہ ابن حجر عسقلانی اس کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ ”الامر“ سے مراد تمام امور ہیں چاہے ان کا تعلق دین و خلافت و امارت سے ہو اور چاہے قضا و افتاء سے۔⁴ اور امام ابن بطلان نے ”الْأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ“ کی وضاحت میں لکھا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ نے ائمہ کو لوگوں پر امین مقرر فرمایا ہے اور ان پر خلوص کو لازم قرار دیا ہے انہیں چاہیے کہ مناسب دیندار اشخاص کو عہدہ سونپیں لیکن جب وہ ناہل اور بے دین لوگوں کو قیادت سونپ دیں تو اس امانت کو ضائع کر دیں گے۔“⁵

ہماری رائے میں ”الساعة“ کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ناہل کو امانت سونپنے کے بعد اُس وقت کا انتظار کرو جب سارے کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے اور ادارے ناکامی کی آخری حد تک پہنچ جائیں جو کسی قیامت سے کم نہیں ہوتا۔ معاشرہ اس وقت بگاڑ کا شکار ہوتا ہے جب انتخاب و چناؤ کا عمل مکمل غیر نبوی اور سنت نبوی کے برعکس طریقے پر رائج ہو اور افراد کے اختیار کے لئے نبوی معیار پر قیادت کے خواہشمند افراد کو جانچا پرکھا نہ جائے۔

معیار کے نبوی پیمانے کو لازم قرار دیتے ہوئے امام ماوردی رقمطراز ہیں، ”بادشاہ وقت کو چاہیے کہ مملکت کا نظام چلانے کے لئے اہم کاموں کے لئے خاص شخصیات کا چناؤ کرے۔“⁶

سیدنا عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے معیار کی اہمیت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اس کی تاکید ان الفاظ میں فرمائی:

مَنْ وَلى مِنْ أَمْرِ الْمُسْلِمِينَ شَيْئًا فَوَلِيَ رَجُلًا وَهُوَ يَجِدُ مَنْ هُوَ
أَصْلَحُ الْمُسْلِمِينَ مِنْهُ فَقَدْ خَانَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ⁷

”جو کوئی مسلمانوں کے کسی معاملے کا نگران بنا اور کسی زیادہ مناسب شخص کے ہوتے ہوئے بھی اُس نے کسی (نااہل) کو معاملات سپرد کر دیئے تو یقیناً اُس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے خیانت کی۔“

جبکہ ایک روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے:
 مَنْ وُلِيَ مِنْ أَمْرِ الْمُسْلِمِينَ شَيْئًا فَوَلَّى رَجُلًا لِمَوَدَّتِهِ أَوْ قَرَابَتِهِ
 بَيْنَهُمَا فَقَدْ خَانَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَ الْمُسْلِمِينَ⁸
 ”جو کوئی مسلمانوں کے کسی معاملے کا نگران مقرر ہو اور اپنی باہمی مودت یا قرابت داری کی وجہ سے اُس نے کسی شخص کو عہدہ سونپ دیا تو یقیناً اُس نے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ اور مسلمانوں سے خیانت کی۔“

بلکہ اس کو ایک اور روایت میں بھی قیامت کی نشانی قرار دیتے ہوئے واضح الفاظ میں فرمایا:
 إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يُوضَعَ الْأَخْيَارُ وَالْإِشْرَارُ⁹
 ”کہ یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ اچھے (عمدہ) لوگوں کو کم مرتبہ کر دیا جائے گا اور برے (شریر) لوگوں کو اعلیٰ مرتبے پر فائز کر دیا جائے گا۔“

اسی لئے جو شخص صاحب اختیار ہو اور اس کی چناؤ کی ڈیوٹی ہو اُس پر لازم ہے کہ خوب چھان بین کے ساتھ اہل اور مستحق افراد کا چناؤ کرے امام ماوردی نے نصیحۃ الملوک میں قیادت اور امیری کے معاملہ کی نزاکت کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
 إِنَّكُمْ سَتَحْرُصُونَ عَلَى الْأِمَارَةِ وَ سَتَكُونُ نَدَامَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ¹⁰
 ”کہ تم اس امارت کے لالچ میں پڑے ہو جو عنقریب بروز قیامت ندامت و شرمندگی کا باعث ہوگی۔“

توقیفیاً جس طرح نااہل ہوتے ہوئے قیادت و امارت پر بر اجماع ہو جانا باعث ندامت و شرمندگی ہوگا۔ اسی طرح ناجائز طور پر عہدہ و اختیار دینے والے سے بھی شدید ترین باز پرس ہوگی اور اُسے بھی ڈگنی چگنی حسرت و ندامت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

سنت نبوی کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ذمہ دار شخص کو اپنے معاونین اور ماتحت افراد کے چناؤ میں حد درجہ کوشش اور احتیاط کرنی چاہیے۔ معیار انتخاب کو ملحوظ خاطر رکھے، اقربا پروری اور دوست نوازی کی بنیاد پر نااہل اشخاص کا چناؤ نہ کرے۔

نبوی نقطہ نظر کے مطابق کسی بھی اہم عہدہ پر تقرری سے قبل اچھی طرح امتحان لینا اور صلاحیتوں کا اندازہ لگانا حکمران کا فرض ہے جس کی عمدہ ترین مثال سنت نبوی میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں ہے جب آپ کو رسول اللہ ﷺ نے یمن کا گورنر اور حج مقرر فرمایا تو پوچھا کہ تم کیسے فیصلہ کرو گے؟ تو جواباً حضرت معاذ نے عرض کیا کہ کتاب اللہ یعنی قرآن حکیم کے مطابق۔ پھر پوچھا کہ اگر کتاب الہی سے مسئلہ نہ حل کر سکے تو؟ عرض کی: رسول اللہ ﷺ کی سنت سے حل کروں گا۔ تو آپ نے تیسری دفعہ پوچھا کہ اگر سنت رسول میں بھی مسئلہ کا حل نہ پایا تو کیا کرو گے؟ عرض کیا: اپنی کوشش اور رائے سے مسئلہ کا حل نکالوں گا۔ جس پر رسول اکرم ﷺ نہایت خوش ہوئے اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ جس نے حضرت معاذ کو اتنی صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ گویا کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت معاذ کو مکمل طور پر جانچ کر رکھ کر روانہ کیا۔¹¹

امام ماوردی سلیکشن میں معیار کو بنیاد بناتے ہوئے حاکم وقت کو نصیحت کرتے ہیں:

”کسی کو مقدم نہ کرے نہ ہی کم مرتبہ کو بلند مرتبہ دے اور جان بوجھ کر کسی کو پیچھے نہ چھوڑے

اور کسی کو کم تر نہ کرے ہاں کسی سابقہ تجربہ کی بنیاد پر ایسا کیا جاسکتا ہے۔“¹²

یعنی اگر سلیکشن کرنے والا کسی سابقہ تجربہ کی بنیاد پر اس شخص کو کوئی عہدہ دیتا ہے جس پر وہ شخص کامیابی کے ساتھ پہلے سے فرائض سرانجام دے چکا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس کی

ہمارے ہاں ایک کنٹریکٹ ملازم کو دائمی ملازمت کے لئے چننا یا کسی روزانہ کی بنیاد پر کام کرنے والے ملازم کو مستقل ملازمت کا عہدہ دینا کیونکہ وہ اسی ادارہ کا پہلے سے ملازم ہوتا ہے لہذا اگر وہ ایک کامیاب اور ماہر و تجربہ کار انسان ہے تو اسے مستقل کام کے لئے چننے میں کوئی حرج و مذائقہ نہیں۔ کیونکہ بعض لوگوں کو بعض دوسروں پر ترجیح اور فوقیت حاصل ہے اور ٹیسٹ یا امتحان اور انٹرویو یا زبانی امتحان کا مقصد بھی ہر شخص کی اہلیت کو الگ طور پر جاننا ہوتا ہے جو سیرت نبوی کے تناظر میں بہر طور لازم ہے۔ لہذا امام ماوردی فرماتے ہیں:

فَلْيَجْتَهِدِ الْمَلِكُ فِي اخْتِيَارِ هَذِهِ الطَّبَقَاتِ مِنْ اَهْلِ الكِفَايَةِ و
الاسْتِقْلَالِ و الشَّهَامَةِ و الْأَمَانَةِ و الْعِفَةِ و الدِّيَانَةِ و الْعَقْلِ و
الإصَالَةِ¹³

”کہ بادشاہ کو چاہیے کہ ان طبقات کے اختیار کے لئے خوب محنت سے جانچ پرکھ لے، اور اہل کفایت، استقلال، شہامت، امانت، عفت، دیانت، عقل اور اصالت جیسی صفات کے حامل افراد کا چناؤ کرے۔“

رسول اکرم ﷺ نے معاشرے میں ایسی افرادی قوت تیار کر کے دی جس پر ہم فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ سائنسدان اور موجد عطا کر گئے کیونکہ ان کے دل خلوص سے معمور، سینے نور ایمان سے بھرپور تھے جو حقیقی کامیابی اور ترقی کی ضمانت ہے۔ اور آپ ﷺ نے افراد سازی پر بھرپور توجہ دی۔

سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں ”یہ فرد جب تیار ہو گیا تو یہ زندگی کے ہر محاذ پر کارآمد، مستعد اور قیمتی ثابت ہو اور جو خدمت اس کے سپرد کی گئی اس نے اپنی اہلیت اور صلاحیت اور فرض شناسی اور احساس ذمہ داری اور اپنے ذوق عمل اور جذبہ خدمت کا ثبوت دیا۔“¹⁴

علامہ ندوی کی رائے سے واضح ہو رہا ہے کہ ریاست مدینہ کے معاونین اور عاملین ہمہ جہت شخصیات تھے۔ کام اور محنت کے دھنی اور جذبہ صادق سے سرشار تھے کام چوری اور خیانت و بددیانتی تو ان کو پھٹو تک نہ سکیں یہی وجہ تھی کہ انہوں نے چار دانگ عالم میں اپنی کامرانی کا سکہ

منوایا اور برسر زوال و انحطاط قوموں کو زندگی عطا کر دی۔

رسول اکرم ﷺ نے انفرادی کاموں کی اصلاح کے ساتھ ساتھ اجتماعی کاموں کے لئے بھی افراد سازی پر توجہ دی اور عملی اور اخلاقی تربیت کا فریضہ سرانجام دیا۔ آپ ﷺ نے مثالی افرادی قوت تیار فرما کر پختہ بنیادوں پر اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی۔ مکہ کے گمنام گوشے، ”دار ارقم“ میں دراصل مثالی افراد سازی کا کام ہی سرانجام پاتا تھا اسی گمنام گوشے میں انسان کو اسفل السافلین سے کمال انسانیت کی طرف لے جانے کا کام ہوا۔

سید ابوالحسن علی ندوی مسلمانوں کے دور قیادت میں مسلمانوں کی خصوصیات کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں، ”وہ حکومت اور قیادت کے منصب پر مستحکم اخلاقی تربیت اور مکمل اخلاقی تہذیب نفس کے بعد فائز ہوئے تھے“¹⁵

لہذا جہاں بانی اور ادارتی امور کے باقی اصولوں سے واقفیت کے ساتھ ساتھ اخلاقی تربیت کے مراحل طے کرنا بھی ایک قائد کے لئے ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ رسول اکرم ﷺ کے اخلاق عالیہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے:

{وَأِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ}¹⁶

”بلاشبہ آپ ﷺ اخلاق کے اعلیٰ ترین مرتبے پر فائز ہیں“

جس کے بعد کسی بحث کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ ایک قائد اور امیر کو کس اخلاقی معیار

میں ہونا چاہیے۔

خاص لوگوں کا چناؤ اور اس کے اثرات و ثمرات

رسول اکرم ﷺ سے یہ روایت ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا، ”أَفْضَاكُمُ عَلَيَّ“¹⁷ کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تم سب میں سے زیادہ فیصلہ کن رائے کے مالک اور فیصلہ کرنے کی صلاحیت سے مالا مال ہیں۔

تو ہم دیکھتے ہیں کہ سیدنا علی نے کئی اہم فیصلے کیے اور عدالتی امور کو پوری جانفشانی سے سر انجام دیا جن کی مثال دوسرے صحابہ کرام میں کم ملتی ہے۔ اس فرمان کی تائید میں حضرت عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں

إِنَّ أَقْضَا أَهْلِ الْمَدِينَةِ عَلِيٌّ

”کہ اہل مدینہ میں سے سب سے زیادہ ماہر قضا سیدنا علی رضی اللہ عنہ تھے۔“¹⁸

یوں لگتا ہے کہ اسوہ رسول کی اس قدر اثر انگیزی تھی کہ تمام صحابہ کرام کی نظر ماہر اور ثقہ شخصیات پر لگی رہتی تھی یہی وجہ ہے کہ جب بھی بات کرتے ہیں تو صاحب فن کی بات کرتے ہیں۔ تعلیمات نبویہ میں قیادت کے انتخاب کا اصول بھی دوسری حکومتوں سے بہت مختلف ہے یہاں اصل چیز اہلیت، امانت، دیانت، تقویٰ اور حسن سلوک ہے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی رقمطراز ہیں، ”یعنی تم ان برائیوں سے بچے رہنا جن میں بنی اسرائیل مبتلا ہو گئے تھے۔ بنی اسرائیل کی بنیادی غلطیوں میں سے ایک یہ تھی کہ انہوں نے اپنے انحطاط کے زمانہ میں امانتیں یعنی ذمہ داری کے منصب اور مذہبی پیشوائی اور قومی سرداری کے رتبے ایسے لوگوں کو دینے شروع کر دیئے جو نااہل، کم ظرف، بد اخلاق، بد دیانت اور بدکار تھے نتیجہ یہ ہوا کہ برے لوگوں کی قیادت میں پوری قوم خراب ہوتی چلی گئی۔“¹⁹

جنگ احزاب میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جاسوسی کے لئے متعین فرمایا جس کی تفصیل کتب سیرت میں موجود ہے اس موقع پر بھی آپ ﷺ کا چناؤ انتہائی تیر بہ ہدف ثنائت ہوا چنانچہ یہاں جو حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتخاب فرمایا گیا تھا تو وہ اسی وجہ سے تھا کیونکہ جناب رسول ﷺ آپ کی صلاحیتوں سے بخوبی واقف تھے کہ اس تاریک اور سردرات میں جس میں مسلمان ہر طرف سے مصائب و مشکلات میں گھرے ہوئے تھے کوئی ایسا ہی شخص کام آسکتا تھا جو نہ صرف فدائی صفات رکھتا ہو بلکہ وہ راسخ الایمان، ذہین اور چوکنا بھی ہو، جنگی معاملات میں بھی

پوری طور پر باخبر ہو زبردست قوت ارادی کا مالک ہو اور اچانک آپڑنے والے معاملات کو سنبھالنے کی اہلیت بھی رکھتا ہو اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ وہ قابل اعتماد بھی ہو۔²⁰

خليفة دوم سيدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قوت بصیرت کا اندازہ ہم آپ کے اس ارشاد سے لگا سکتے ہیں جس میں مختلف اصحاب رسول اکرم ﷺ کی تخصیص اُن کی مہارت فن کے پیش نظر فرما رہے ہیں۔ بمقام جابیه²¹ آپ نے بے شمار لوگوں کے سامنے جو مشہور خطبہ پڑھا اس میں موجود یہ الفاظ اصحاب رسول اکرم ﷺ کے ہاں معیار و اہلیت کو بخوبی واضح کرتے ہیں:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ، مَنْ أَرَادَ أَنْ يَسْأَلَ عَنِ الْقُرْآنِ فَلْيَأْتِ أَبِيَّ بْنَ كَعْبٍ،
وَمَنْ أَرَادَ أَنْ يَسْأَلَ عَنِ الْفَرَائِضِ فَلْيَأْتِ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ، وَمَنْ أَرَادَ
أَنْ يَسْأَلَ عَنِ الْفَقْهِ فَلْيَأْتِ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ، وَمَنْ أَرَادَ أَنْ يَسْأَلَ عَنِ
الْمَالِ فَلْيَأْتِنِي فَإِنَّ اللَّهَ جَعَلَنِي لَهُ وَالْيَا وَقَاسِمًا²²

“اے لوگو! جو کوئی قرآن سیکھنا چاہتا ہے وہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس جائے، اور جو کوئی علم وراثت پڑھنا چاہتا ہے وہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس جائے، اور جو شخص علم فقہ سیکھنا چاہتا ہو وہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے پاس جائے اور جو کوئی مالی امور سے آگہی حاصل کرنا چاہے وہ میرے پاس آجائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نگران اور مال تقسیم کرنے والا بنایا ہے۔”

یہاں یہ بات بھی انتہائی قابل غور ہے کہ شاید دنیا نے بہت عرصہ بعد میں کروٹ لی اور الگ الگ ادارے قائم کرنے کا سوچا ہو ہر مضمون کا الگ سے شعبہ دیر سے قائم ہوا ہو لیکن درس گاہ نبوت میں زانوائے تلمذ طے کرنے والے اس زمانے میں بھی شعبہ ہائے علوم میں مہارت و دسترس رکھتے تھے جب دنیا والوں کو شعبہ جات تو درکنار علم کی ابجد سے بھی آگہی نہیں تھی۔ آپ ﷺ نااہل لوگوں کو منع فرماتے کئی صحابہ کرام کے ساتھ ایسا ہوا حالانکہ وہ لوگ آج کے لوگوں سے کہیں زیادہ باصلاحیت تھے لیکن بصیرت نبوی نے اُن کے لئے وہ کام مناسب نہ سمجھے لہذا منع فرما دیا اور عہدہ دینے سے انکار کر دیا۔ لیکن جب آپ ﷺ کسی شخص کو موزوں سمجھتے تو از خود عہدہ سونپ دیتے۔

سنن ابو داؤد میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی سیرت نبوی کا یہ عمدہ چناؤ تاریخی شاہد ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس دو لوگ عہدہ طلب کرنے آئے جب کہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی بارگاہ رسالت میں موجود تھے تو پہلے نبی اکرم ﷺ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے رائے طلب کی پھر خود سے فیصلہ صادر فرمایا اور ابو موسیٰ کو حکم دیا کہ تم جاؤ جا کر یمن کی گورنری سنبھالو۔ اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا:

إِنَّا لَنْ نَسْتَعْمَلَ عَلَىٰ عَمَلِنَا مَنْ أَرَادَ

”جو خود عہدہ طلب کرے ہم ایسے شخص کو عہدہ نہیں دیتے۔“²³

صاحب تفسیر احسن البیان ایک قرآنی استدلال پیش کرتے ہیں جس میں انہوں نے سیدنا یوسف علیہ السلام کے عزیز مصر سے وزیر خزانہ کا عہدہ سنبھالنے کا تذکرہ کیا ہے اور اس عہدہ کی ذمہ داری سے بحسن و خوبی عہدہ برآہونے سے متعلق لکھتے ہیں:

”عام حالات میں اگرچہ منصب کی طلب جائز نہیں ہے لیکن حضرت یوسف کے اس اقدام سے معلوم ہوتا ہے کہ خاص حالات میں اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ قوم اور ملک کو جو خطرات درپیش ہیں ان سے نمٹنے کی اچھی صلاحیتیں میرے اندر موجود ہیں جو دوسروں میں نہیں ہیں تو وہ اپنی اہلیت کے مطابق اس مخصوص عہدے اور منصب کی طلب کر سکتا ہے۔“

اسلام نااہل لوگوں کو عہدہ دینا تو درکنار ان کی گواہی تک تسلیم نہیں کرتا جس پر فقہ اور قانون کی کتب میں تفصیلی بحثیں موجود ہیں یہاں ان کا محل ذکر نہیں۔

سیدنا عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کی حکومت کی کامیابی اور رہتی دنیا تک اس کی مثال قائم رہنے میں آپ کی سیاسی بصیرت اور عمدہ چناؤ کو بڑا عمل دخل حاصل ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی اس بصیرت پر علامہ شبلیؒ نے بہت خوبصورت انداز میں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے لکھتے ہیں:

”اس مرحلے میں اس بات سے بڑی مدد ملی کہ ان کی طبیعت شروع سے جوہر شناس واقع ہوئی تھی یعنی جس شخص میں جس قسم کی قابلیت ہوتی تھی وہ اس کی تہہ کو پہنچ جاتے تھے اس کے ساتھ انہوں نے ملک کے تمام قبائلی آدمیوں سے واقفیت بہم پہنچائی تھی۔ یہی بات ہے کہ انہوں نے جس شخص کو جو کام دیا اس کے انجام دینے کے لئے اس سے بڑھ کر آدمی نہ مل سکا تھا۔“²⁴

اسلام سے قبل بھی معیار کو کافی حد تک ملحوظ خاطر رکھا جاتا تھا لیکن رسول اکرم ﷺ نے اس کو اوج کمال عطا کیا اسلامی معاشرہ میں عرب میں چار شخص تھے جن کو ”دھاتا العرب“ (یعنی اپنے کام کے ماہر و تجربہ کار) کہا جاتا تھا یعنی جو فن سیاست و تدبیر میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ امیر معاویہ، عمرو بن العاص، مغیرہ بن شعبہ اور زیاد بن سمیہ۔ فن حرب میں عمر بن معد یکر اور طلحہ بن خالد ممتاز تھے لیکن تدبیر و سیاست میں ان کا دخل نہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو نعمان بن مقرن کی ماتحتی میں عراق کی فتوحات پر مامور فرمایا لیکن نعمان کو حکم بھیجا کہ ان کو کسی کی قیادت نہ دینا کیونکہ ہر شخص اپنا فن خوب جانتا ہے۔²⁵

سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے عامل یعنی انتظامیہ سے متعلق ایک عہدے کی خواہش ظاہر کی تھی جیسے کوئی چیف سیکرٹری بننے کی خواہش ظاہر کرے آپ نے منصب کی اہمیت کے پیش نظر ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ”میں تمہیں ضعیف پاستاہوں۔“²⁶

یعنی اس انکار میں اس بات کی طرف واضح اشارہ موجود ہے کہ تمہارا مجھ سے دلی تعلق ہونا یا تمہاری مجھ تک رسائی ہونا اس منصب کے پانے کے لئے کافی نہیں بلکہ اس کی اہلیت و صلاحیت رکھنا ہی وہ بنیادی ضرورت ہے جس پر اس خواہش یا مطالبہ کو پورا کیا جاسکتا ہے اور تم میں یہ اہلیت و صلاحیت موجود نہیں ہے اس لئے تمہیں عامل بننے کی خواہش نہیں کرنی چاہیے۔ یہاں یہ

بات اظہر من الشمس ہو گئی کہ اقربا پروری اور دوست نوازی کے بجائے اہل اور ماہر لوگوں کا چناؤ کر کے اداروں کو پاک صاف فضا مہیا کی جائے۔

اس کے ساتھ ساتھ اس واقعہ سے یہ بات سمجھنے میں بھی کافی حد تک مدد ملتی ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ ہمیشہ اہل ہی عہدہ طلب کرے اور منتخب ہو کے سامنے آئے بلکہ کبھی کبھار نااہل بھی عہدہ طلب کرتا ہے اب یہ منتخب کرنے والوں کی سمجھ بوجھ پر منحصر ہے کہ کیا وہ اسے اس عہدہ کے لئے موزوں سمجھتے ہیں یا پھر اسے رد کر دیتے ہیں۔ آج ہمارے زمانہ میں کیونکہ اہلیت کے ان معیارات کو نہیں جانچا جاتا بلکہ جو بھی عہدہ کا طلبگار ہوا، اہل ہو یا نااہل وہ بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں جو ہمہ جہتی نقصانات سامنے آتے ہیں شاید صدیوں ان کا تدارک ممکن نہیں ہو پاتا۔

قائد اور رہنما کی کچھ خصوصیات اور اوصاف ہیں ان کی عدم موجودگی میں کسی کو امور قیادت و سیادت نہیں سنبھالنے چاہئیں۔ ماہرین ادارہ نے لکھا ہے کہ قائد میں تین طرح کی خصوصیات ہوتی ہیں فطری، اکتسابی، اور تعالیٰ۔ اجتماعی اور فطری خصوصیات جیسے ذہانت، بہادری اور سچائی وغیرہ۔ اکتسابی خصوصیات جیسے ایمان، علم، احساس ذمہ داری اور اجتماعی خصوصیات جیسے مہربانی، درگزر کرنا اور مشاورت وغیرہ۔²⁷

لیکن ہمارے خیال کے مطابق دوسری اور تیسری قسم کی صفات مشترک ہیں۔ تیسری قسم کی صفات کا تعلق دوسری قسم سے ہی ہے۔ ادارتی امور کے اکثر ماہرین کے خیال کے مطابق قیادت کی زیادہ تر خوبیاں ذاتی کوشش اور محنت سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔

امام ابن تیمیہؒ نے حدیث مذکور کے بعد یہ تبصرہ کیا ہے:

فَإِنَّ عَدَلَ عَنِ الْأَحَقِّ وَالْأَصْلَحَ رَأَى غَيْرَهُ لِأَجْلِ قَرَابَةِ بَيْنَهُمَا أَوْ صَدَاقَةٍ أَوْ مُرَافَقَةٍ فِي بَلَدٍ أَوْ مَذْهَبٍ أَوْ طَرِيقَةٍ أَوْ لِحْيَةٍ أَوْ لِحْيَةٍ فَقَدْ خَانَ

اللَّهُ وَرَسُولَهُ وَالْمُؤْمِنِينَ²⁸

”اگر وہ حق دار اور زیادہ مناسب شخص کو چھوڑ کر، قرابت داری، دوستی یاری، چاہے وہ شہر، مذہب یا گروہ کسی بھی بنیاد پر ہو، کسی دوسرے شخص کو عہدہ دے دیتا ہے تو اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور مومنین سے خیانت کی۔“

آج بہت سے اداروں کے انحطاط اور تنزلی میں ان امور سے صرف نظر کا کافی حد تک عمل دخل ہے جن کا تذکرہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے کیا ہے کیونکہ عموماً سفارش کی بنیادیں رشتہ داری، دوستی اور مذہبی یا تنظیمی وابستگیوں ہی ہیں جن سے وقتی طور پر کسی کو نواز دیا جاتا ہے لیکن اس کی نالائقی اور نااہلی کا خمیازہ پوری قوم کو بھگتنا پڑتا ہے۔

ہر صورت میں مناسب شخص کا چناؤ کرنا چاہیے اور اگر بہت سے لوگ اہلیت پر پورا اتر رہے ہوں تو بہتر سے بہتر کو چننا چاہیے کیونکہ بہتر تو مل سکتا ہے لیکن بحیثیت انسان کامل و اکمل نہیں مل سکتا جیسا کہ ابن قیم الجوزیہؒ رقم طراز ہیں:

وَالْغَالِبُ أَنَّهُ لَا تُوجَدُ الْكَامِلُ فِي ذَلِكَ فَيَجِبُ قَرَى خَيْرِ الْخَيْرِينَ ، وَ دَفَعِ شَرَّ النَّتَرِينَ²⁹

”اور غالب یہی ہے کہ کامل شخص نہیں پایا جاتا لہذا بہتر سے بہتر کی تلاش کرنی چاہیے اور نامناسب سے بچنا چاہیے۔“

کیونکہ جب باگ ڈور نااہل لوگوں کے ہاتھ آئے گی تو نقصان کے سوا کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ حضرت حنظل بن الحصین الازدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں:

سَمِعْتُ عَمْرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُولُ : قَدْ عَلِمْتُ وَرَبِّ الْكُعْبَةِ مَتَى تَهْلِكُ الْعَرَبُ إِذَا سَاسَ أَمْرَهُمْ مَنْ لَمْ يَصْحَبِ الرَّسُولَ وَ لَمْ يُعَالِجْ أَمْرَ الْجَاهِلِيَّةِ³⁰

”کہ میں نے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سنا کہ رب کعبہ کی قسم عرب اس وقت ہلاک ہوں گے جب ان کی قیادت اس شخص کے ہاتھ آئے گی جس نے رسول اکرم ﷺ کی صحبت اختیار نہیں کی ہوگی اور نہ جاہلیت کی کمزوریوں سے چھٹکارا پایا ہوگا۔“

لہذا یہ بات واضح ہوئی کہ جب تک معیار نبوی کو اختیار نہیں کیا جائے گا اور جہالت کے اصولوں اور بے راہ روی کو ترک نہیں کیا جائے گا تب تک کامیابی کا حصول ممکن نہیں۔

امام ابن جوزی کہتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی جانچ پڑتال کا طریقہ جاری رہتا تھا جیسے ہی کسی شخص کو اہل سمجھتے اسے کسی عہدہ پر فائز کر دیتے۔ اسی طرح کی ایک مثال امام ابن عبد البر نے نقل کی ہے:

مَنْ ذَلِكْ مَا رُوِيَ مِنْ أَنْ كَعْبَ بْنَ سُوْرَ كَانَ جَالِسًا عِنْدَ عُمَرَ
عِنْدَمَا جَاءَتْهُ امْرَأَةٌ تَشْكُو رَوْجَهَا فَقَالَ لِكَعْبٍ : اِقْضِ بَيْنَهُمَا ، فَلَمَّا
قَضَى بِمَا اعْتَقَدَهُ الصَّوَابَ ، وَأَعْجَبَ عُمَرُ بِمَا قَضَى بِهِ قَالَ لَهُ :
إِذْهَبْ قَاضِيًا إِلَى الْبَصْرَةِ ، وَلَمْ يَكُنْ كَعْبٌ يَعْلَمُ مِنْ قَبْلُ أَنَّهُ
سَيُعِينُ قَاضِيًا لِلْبَصْرَةِ³¹

“معلوم ہوا کہ امیر المومنین خلیفہ ثانی نے حضرت کعب کو محض ان کی قوت فیصلہ اور قوت ارادی کی بنیاد پر بغیر کسی مطالبے کے گورنری کے عہدہ پر فائز کر دیا۔”

یاد رہے جب لوگ کسی کو ناپسند کر رہے ہوں اور فی الواقع وہ شخص اہل بھی نہ ہو تو اسے فوراً خود سے ہی عہدہ سے دستبردار ہو جانا چاہیے نہیں تو صاحب اختیار اسے معزول کر دے اس پر بیسیوں مثالیں موجود ہیں بالخصوص عہد فاروقی اس کا گواہ ہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں:

وَ أَكْرَهُ لِلرَّجُلِ أَنْ يَتَوَلَّى قَوْمًا وَ هُمْ لَهُ كَارَهُونَ³²

“میں یہ ناپسند کرتا ہوں کہ کوئی شخص کسی ایسی قوم کا لیڈر بنے جسے وہ ناپسند کر رہی ہو۔”

دیگر ائمہ بھی اسی بات پر متفق ہیں کہ کسی شخص کو ناپسندیدگی کی صورت میں لوگوں پر

مسلط نہیں رہنا چاہیے۔

صحیح مسلم کی ایک روایت میں رسول اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل ہے جس میں آپ ﷺ نے دنیا کے اندر انسان کے جانچے اور پرکھے جانے کا حکم فرمایا ہے:

وَ إِنَّ اللَّهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيهَا ، فَيَنْظُرُ كَيْفَ تَعْمَلُونَ³³

”اللہ رب العزت نے دنیا میں تمہیں اپنی خلافت عطا کی تاکہ یہ جانچے کہ تم کیسے کام کرتے ہو۔“

تحریری اور زبانی امتحان (انٹرویو) تقرری اور بہترین نتائج کے حصول کے لئے بہت عمدہ اصول ہے خلیفہ ثانی عمر بن خطاب نے اپنے ایک ماتحت کو مامور فرمایا اور ساتھ ہی اُسے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا:

إِنِّي ۖ قَدْ عَيَّنْتُكَ لِابْتُلُوكَ ، فَإِنْ أَحْسَنْتَ زِدْتُكَ وِإِنْ أَسَاءْتَ
عَزَلْتُكَ³⁴

”کہ میں تمہیں یہ عہدہ سونپ رہا ہوں تاکہ تمہیں پرکھ لوں اگر تم نے اپنے فرائض اچھے طریقے سے سرانجام دیئے تو میں مدت میں اضافہ کر دوں گا اور اگر کوتاہی اور سستی سے کام لیا تو تمہیں معزول کر دوں گا۔“

لہذا نااہلی اور کام چوری کی صورت میں معزول کرنا بھی نبوی اور فاروقی نقطہ نگاہ سے جائز و مباح صورت ہے۔

عہدوں کی تقسیم میں تخصص کا خیال رکھنا

عہدوں کی تقسیم میں بندر بانٹ سے مکمل اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ سفارشی نااہل اور کلمے افراد تمام شعبہ ہائے زندگی میں زوال کا سبب بنتے ہیں لہذا دوستی تعلق داری اور اقرباء پروری کی بنیاد پر ایسے بے سود افراد کو عہدے سونپنا کسی طور بھی قرین عقل و مروت نہیں اسلام ایسے افعال کو خیانت قرار دیتا ہے فرمان رسول اکرم ﷺ ہے:

مَنْ اسْتَعْمَلَ رَجُلًا مِنْ عِصَابَةِ وَ فِى تِلْكَ الْعِصَابَةِ مَنْ هُوَ
ارْضَى اللهُ مِنْهُ فَقَدْ خَانَ اللهُ وَخَانَ رَسُوْلَهُ وَ خَانَ الْمُؤْمِنِيْنَ³⁵

”جس کسی نے کسی جماعت میں سے کسی آدمی کو کسی کام کے لئے مقرر کیا اور اُس جماعت میں اُس سے زیادہ مناسب شخص موجود تھا تو اس نے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ اور مومنین سے خیانت کی۔“

اگر امتحان انٹرویو اور مکمل جانچ پڑتال کے باوجود معیاری اور قابل افراد کا ملنا ممکن نہ ہو تو پھر جو افراد دستیاب ہوں ان کی معمولی صلاحیتوں سے ہی فائدہ اٹھالینا چاہیے اور کسی بھی آسامی کو خالی نہیں چھوڑنا چاہیے کیونکہ اس طریقہ پر بھی کام معطل ہو جاتے ہیں جو اداروں کی خرابی کا باعث بنتا ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

مَنْ تَكَلَّمَ فِي غَيْرِ فَنِّهِ أَنَّى بِالْعَجَائِبِ

“جو شخص اپنے فن تخصص کے علاوہ گفتگو کرتا ہے اس سے عجیب و غریب فعل ہی صادر ہوتے ہیں۔“

یقیناً جو شخص کام اور فن میں مہارت کے بغیر دراندازی کرتا ہے اور اندازوں سے کام کرتا ہے اس سے عجیب و غریب کام ہی سرزد نہیں ہوتے بلکہ اس کے ہاتھوں اکثر اوقات ناقابل تلافی نقصانات بھی ہوتے ہیں چاہے وہ نقصان مالی نوعیت کا ہو یا غیر حسی اور سیاسی و سماجی نوعیت کے فوائد سے محرومی کی صورت میں ہو ایسا شخص اکثر اپنے حریفوں اور حلیفوں کے طعن و تشنیع کے نشانے پر ہی ہوتا ہے جس کا مکمل طور پر وہ خود ذمہ دار ہوتا ہے۔ اس کی اہم ترین مثال وہ حدیث طیبہ ہے جس میں رسالت مآب ﷺ نے تعبیر نخل کے مسئلہ میں صحابہ کرام سے فرمایا:

أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِأُمُورِ دُنْيَاكُمْ³⁶

“تم اپنے دنیاوی امور کو بہت اچھی طرح جانتے ہو۔“

یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے بلاوجہ دخل اندازی کو مناسب نہ سمجھا اور صحابہ کرام کو اس بات پر آگاہ فرمادیا کہ دنیوی امور یا اجتہادی معاملات جن کو تم بہتر گردانتے ہو اس میں میری رائے کی پابندی مت اختیار کرو۔

بلکہ آپ ﷺ نے ہمیشہ معیار کو ترجیح دی اس سلسلے میں نبوی تعلیمات بھی ملاحظہ

ہوں۔

إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يُحِبُّ مِنَ الْعَامِلِ إِذَا عَمِلَ أَنْ يُحْسِنَ³⁷

”اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ جب کوئی شخص کام کرے تو بہت ہی اچھے طریقے سے کرے۔“

عمر گی، پختگی اور کمال مہارت دکھانا دین اسلام کا مطالبہ ہے معیار اور کام کی نفاست کی تعلیم دیتے ہوئے نبی مکرم ﷺ نے مزید ارشاد فرمایا:

ان الله يُحِبُّ مَعَالِيَ الْأُمُورِ وَ أَسْرَافَهَا وَ يَكْرَهُ سَفَاسِفَهَا³⁸

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ معیاری اور اعلیٰ کاموں کو پسند فرماتا ہے اور گھٹیا اور غیر معیاری کاموں کو نا پسند فرماتا ہے۔“

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود اس کائنات کو بہت خوبصورت اور عمدہ طریقے سے بنایا ہے لہذا وہ کام کی رذالت اور گھٹیا پن کو کسی طور بھی قبول نہیں کرتا بلکہ وہ چاہتا ہے کہ انسان بھی اس کا بندہ ہونے کے ناطے کاموں کی انجام دہی میں کمال صنعت اور کارگیری کا اظہار کرے۔

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلافت سنبھالتے ہی عوام کو جن الفاظ میں مخاطب فرمایا اور عہدہ و منصب کی حقیقت اور اس کی ذمہ داری نبھانے سے متعلق جو رہنمائی فراہم کی اس کی نظیر شاید تاریخ میں ڈھونڈنے نہ ملے۔ آپ فرماتے ہیں:

أَلَا وَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ وَلَسْتُ بِخَيْرٍ مِنْ أَحَدٍ مِنْكُمْ فَزَاعُونِي، فَإِذَا رَأَيْتُمُونِي اسْتَقَمْتُ فَاتَّبِعُونِي، وَإِذَا رَأَيْتُمُونِي زَعْتُمْ فَفَقُّوْهُنِي³⁹

”خبردار یاد رکھو! میں بھی ایک بشر ہوں اور تم میں سے کسی سے بہتر نہیں لہذا میرا لحاظ رکھنا پس جب تم مجھے سیدھے رستے پہ پاؤ تو میری اتباع کرنا اور جب دیکھو کہ میں غلطی پر ہوں تو میری اصلاح کر دینا۔“

یہاں یہ واضح دلالت موجود ہے کہ اگر انسان کسی کام میں مہارت نہیں رکھتا تو جب دوسرے اس کی مدد کریں اور اسے راہ راست پر لائیں تو اسے صدق دل سے قبول کرنا چاہیے اور رہنما کا شکر گزار ہونا چاہیے۔

یقیناً ہر عہدہ کا تخصص رکھا جائے گا کمپیوٹر کا ماہر اگر دینی علوم میں مہارت نہیں رکھتا تو اسے امامت و خطابت نہیں سونپی جاسکتی اور اگر عالم دین کمپیوٹر کے علم میں مہارت تامہ نہیں رکھتا تو اسے ڈیٹا انٹری آپریٹر بھرتی نہیں کیا جاسکتا اسی طرح تمام عہدوں میں تخصص کی پاسداری انتہائی ضروری عمل ہے۔

عہدوں کی تقسیم میں ایک اور اہم بات کی طرف امام ابن تیمیہ نے توجہ دلائی ہے کہ اگر دونوں مختلف خوبیوں بیک وقت جمع نہ ہوں قوت و امانت تو کام کی مناسبت سے تعین کر لیا جائے گا اس کی بہت عمدہ مثال ذکر کرتے ہوئے شیخ الاسلام رقم طراز ہیں امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص بہادر اور فاسق ہے جبکہ دوسرا کمزور اور نیک ہے تو جنگ میں کس کو قیادت سونپی جائے گی تو آپ نے فرمایا جہاں تک فاسق کے فسق کا تعلق ہے تو وہ اس کی اپنی ذات کے ساتھ ہے اور اس کی بہادری سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچے گا جبکہ نیک آدمی کی نیکی کا فائدہ اس کی ذات تک محدود ہے اور اس کی کمزوری کا نقصان تمام مسلمانوں کو اٹھانا پڑے گا لہذا بہادر اور گنہگار کو ہی سپہ سالار بنایا جائے۔⁴⁰

اسلام کا نظریہ ذمہ داری

اسلامی نقطہ نظر سے ہر انسان کو یہ بتلایا گیا ہے:

﴿وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ، كِرَامًا كَاتِبِينَ، يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ﴾⁴¹

“اور بے شک تم پر نگران (فرشتے) مقرر رہیں۔ معزز لکھنے والے۔ اُسے جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔”

اس طریقہ پر ہر انسان کو اس کی ذمہ داری کا احساس دلایا گیا ہے ارشاد نبوی ہے:

أَلَا كَلُّكُمْ رَاعٍ ، وَ كَلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ ؛ فَلَا مِمِيرُ الَّذِي عَلَى النَّاسِ رَاعٍ ، وَ هُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ⁴²

“تم میں سے ہر کوئی ذمہ دار ہے اور ہر کسی سے اُس کی ذمہ داری کی باز پرس ہوگی۔”

لہذا کسی بھی عہدہ پر فائز شخص کو نبوی تعلیمات کے مطابق اتنی تشبیہ کافی ہے کہ وہ خود کو ذمہ دار سمجھے چاہے اس پر کوئی افسر یا نگران مسلط ہو یا نہ ہو کسی احتساب کا خوف نہ ہو سوائے روز محشر کے محاسبہ اور میزان اعمال کے اور یہی شعور و ایمان ہے جو بندہ مومن کو اپنے فرائض ایمانداری، جان سوزی اور تندہی سے نباہنے پر مجبور کرتا ہے کیونکہ اگر کوئی شخص اپنے افسر کی وجہ سے کام کرتا ہے تو وہ دائمی اور نتیجہ خیز نہیں ہو گا کیونکہ جب وہ نگران افسر موجود نہیں ہو گا تو وہ بے خوف و خطر کام چوری کا مظاہرہ کرے گا جو اداروں کی تباہی کا سبب ہے جبکہ نبوی نظریہ ذمہ داری کا تعلق تقویٰ اور خوف خدا سے ہے جو انسان کے اندر چھپے ضمیر کو جھنجوڑ کر غیرت ایمانی کے تقاضوں کے مطابق احساس ذمہ داری دلاتا ہے اور فرائض میں غفلت اور کوتاہی سے محفوظ بناتا ہے۔

بہترین امیر وہ ہو سکتا ہے جو قوی بھی ہو امین بھی قوی سے مراد اس کام کی قوت و صلاحیت والا ہونا جو کام اُس کے سپرد کیا جا رہا ہے اور امین سے مراد یہ ہے کہ اس کی سابقہ زندگی کے حالات اس کی امانت و دیانت پر شاہد ہوں۔ آج کل مختلف ملازمتوں اور سرکاری وغیر سرکاری عہدوں کے لئے انتخاب کا جو اصول رکھا جاتا ہے اور درخواست گزار میں جن اوصاف کو دیکھا جاتا ہے اگر غور کریں تو سب کے سب ان دو لفظوں میں جمع ہیں بلکہ ان کی تفصیلی شرائط میں بھی یہ جامعیت عموماً نہیں ہوتی کیونکہ امانت و دیانت تو کہیں زیر غور ہی نہیں آتی صرف علمی قابلیت کی ڈگریاں معیار ہوتی ہیں اور آج کل جہاں کہیں سرکاری وغیر سرکاری اداروں کے نظام میں ابتری پائی جاتی ہے وہ بیشتر اسی اصول دیانت کو نظر انداز کرنے کا نتیجہ ہوتا ہے۔

قابل اور عاقل آدمی جب امانت و دیانت سے کورا ہوتا ہے تو وہ کام چوری اور رشوت خوری کے بھی ایسے ایسے راستے نکال لیتا ہے کہ کسی قانون کی گرفت میں نہ آسکے اسی نے آج دنیا کے بیشتر سرکاری وغیر سرکاری اداروں کو بے کار بلکہ مضر بنا رکھا ہے نبوی نظام میں اسی لئے اسکو بڑی اہمیت دی گئی ہے جس کی برکات دنیا نے صدیوں تک دیکھی ہیں۔ مسلمان کے اخلاق کی عمدگی اور ایمان کی حقیقت کو امانت کے ساتھ جوڑ دیا اور خیانت اور بددیانتی کو عدم ایمان قرار دیا۔ اللہ رب العزت نے کاموں میں امانت داری کو کامیابی کا از قرار دیا فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ﴾⁴³

“اور (کامیاب ہو گئے) وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور وعدوں کا بہت خیال رکھتے ہیں۔”

اور نبی کریم ﷺ نے کرپٹ اور خائن آدمی کے ایمان کو مشکوک قرار دیا ارشاد نبوی ہے:

لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ

“جس شخص میں امانت نہیں اس کا کوئی ایمان نہیں۔”⁴⁴

یقیناً یہاں مکمل ایمان کی نفی نہیں کی جا رہی بلکہ صرف اسی بے ایمانی کی بات ہو رہی ہے جو اس نے اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی اور خیانت کے انداز میں کی۔ کوئی بھی شخص جب اپنی ذمہ داریوں کو ایمانداری سے ادا نہیں کرتا تو وہ ایمان کی تکمیل کے درجے پر فائز نہیں ہو سکتا۔ کسی شخص کے کام کی نوعیت کوئی بھی ہو، چاہے وہ دفتر میں اعلیٰ عہدے پر فائز ہو یا ایک عام مزدور کی حیثیت سے کام کرتا ہو ہر حال میں ایمان و امانت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے تبھی ایک کامیاب زندگی کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اعلیٰ مقام و مرتبہ پا سکتا ہے۔ امارت تمام اجتماعی کاموں میں اصل ہے جیسا کہ حدیث طیبہ میں مذکور ہے

إِذَا خَرَجَ ثَلَاثَةٌ فِي سَفَرٍ فَلْيُؤْمِرْهُمْ أَحَدُهُمْ⁴⁵

لہذا کسی فرد واحد کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ تمام عہدوں پر قابض ہو کر بیٹھ جائے گویا کہ وہ ہی تمام اختیارات کا مالک کل ہے اس بے جا قبضہ و تسلط کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ تمام امور کے اہل افراد محروم رہتے ہیں اور نا اہل اپنی ناسمجھی اور کم علمی و کمزوری کی بنیاد پر کاموں میں تاخیر اور خرابی کا سبب بنتے ہیں۔

امام ماوردیؒ نے ایک اور اہم مسئلہ کی طرف توجہ مبذول کروائی ہے وہ لکھتے ہیں:

“ضرورت کے مطابق افراد معاونین بھرتی کرو اور افراد کے جھگڑے سے بچو کیونکہ اس طرح

کاموں کی انجام دہی میں خلل واقع ہوتا ہے۔”⁴⁶

کیونکہ کام کی طلب کے مطابق اگر افراد ہوں گے تو یہ مناسب اور خلوص سے کام سر انجام دینے کا بہترین ذریعہ ہے بصورت دیگر محض خلل اور خرابی کا سبب بنتے ہیں۔

منصب کی سختی اور خرابی

دنیوی اعتبار سے عہدہ و منصب دماغی پریشانی اور بے چینی کا باعث ہے اس کے ساتھ ساتھ اخروی اعتبار سے بھی حسرت و ندامت کا سبب بنے گا رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

إِنَّكُمْ سَتَنَحْرُصُونَ عَلَى الْإِمَارَةِ وَ سَتَكُونُ نَدَامَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ⁴⁷

”کہ تم امارت کے لالچ میں رہتے ہو جب کہ یہی امارت (امانت کی عدم ادائیگی کے سبب) کو بروز قیامت شرمندگی و ندامت کا باعث بنے گی۔“

کیوں کہ عہدہ اور منصب امانت ہیں اور ان کے بارے ضرور باز پرس ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر عہدہ و نعمت عطا فرمانے کے بعد اس کی قدر کرنے کا حکم ارشاد فرمایا اور یہ باور کرایا کہ یہ جو کچھ میں نے تمہیں دے رکھا ہے محض آزمائش اور امتحان کے لئے ہے تاکہ یہ معلوم کیا جاسکے کہ تم میں سے کون اپنے فرائض کو بطریق احسن سرانجام دیتا ہے۔

نتیجہ بحث

مذکورہ بالا گفتگو سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اسلامی تعلیمات اور سیرت نبوی نے انسانی زندگی کے ہر پہلو اور ہر گوشہ میں رہنمائی کی ہے۔ سیرت طیبہ کی روشنی میں انسان جس مسئلے کا حل تلاش کرنا چاہے اگر دقت نظر اور کوشش سے کام لے تو یقیناً تمام مسائل کا حل ممکن ہے۔ نبی آخر الزماں ﷺ نے اپنے نظام حکومت میں اہلیت اور معیار کو اولین ترجیح دی جو اسلام کی کامیابی اور چار دانگ عالم میں چھا جانے کا سبب اور راز ہے اسلامی نظریاتی کونسل اور سیرت طیبہ کے حوالے سے خدمات سرانجام دینے والے اداروں کی ذمہ داری ہے کہ بنی نوع انسان کے لئے اہم اور پیچیدہ مسائل پر سکا لرز سے تحقیقی کام کی خدمات حاصل کریں اور ملک و قوم کو دشواریوں سے نجات دلائیں اور سیرت طیبہ کی روشنی میں مسائل کا حل پیش کریں۔ اور ان کاموں میں اجارہ داری، رشتہ داری اور تعلقات کی بجائے کام اور تحقیق کی اہمیت کے پیش نظر مضامین کو شامل اشاعت کریں۔ یونیورسٹیز اور جامعات میں تحقیق کی ڈگری حاصل کرنے والے طلباء کو چاہیے کہ وہ بھی ایسے عملی اور معاشرتی

مسائل پر مبنی مقالات تحریر کر کے شریعت اسلامیہ اور سیرت طیبہ کی روشنی میں صداقت اسلام اور اسکے زریں اصولوں سے آگاہ کریں جس میں معاشرہ کی فلاح پنہاں ہے۔

مصادر و مراجع

- 1 سورة الانعام /165-
- 2 ابو داؤد، امام محمد بن سلیمان بن اشعث السجستانی، سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب فی القوم یسافرون یومرون احدھم، حدیث نمبر: 2285-
- 3 البخاری، امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب رفع الامانۃ، حدیث نمبر: 6496-
- 4 ابن حجر، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی، فتح الباری شرح صحیح البخاری، 11/334 دار المعرفۃ، بیروت 1379ھ-
- 5 فتح الباری شرح صحیح البخاری، 11/334-
- 6 الماوردی، ابوالحسن علی محمد بن محمد، نصیح الملوک، مکتبہ الفلاح الکویت، ط 1983ء، ص 185-
- 7 الحاکم، الامام محمد بن عبد اللہ النیشاپوری، المستدرک علی الصحیحین، 4/104، حدیث نمبر: 13408-
- 8 ابن تیمیہ، شیخ الاسلام احمد بن عبد الحلیم بن تیمیہ، السیاسة الشرعیة، وزارة الشؤون والاوقاف والدعوة والارشاد، المملكة العربية السعودية ص: 7-
- 9 مستدرک علی الصحیحین، 4/554-
- 10 صحیح البخاری، کتاب الاحکام، حدیث نمبر: 6729-
- 11 سنن ابی داؤد، حدیث نمبر: 3592-
- 12 نصیح الملوک، ص 176-
- 13 نصیح الملوک، ص 185-
- 14 مقامات سیرت، نبوت کاراز ابو الحسن علی،، سیرت کانفرنس کمیٹی 98، ریلوے روڈ لاہور، ص 25-
- 15 ندوی، ابوالحسن، علی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر،، مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد، کراچی، ص 157-
- 16 سورة القلم /4-
- 17 ابن تیمیہ، تقی الدین احمد بن عبد الحلیم منہاج السنۃ، دار الحدیث قاہرہ، 5/12-7 ابن تیمیہ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے جب کہ امام زرقانی نے "حسن لغیرہ" کہا ہے دیکھیے: مختصر المقاصد، ص 128-
- 18 محمد بن الحسن العربی القاسمی، الفکر السامی فی تاریخ الفقہ الاسلامی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، 1/244-
- 19 موودودی، ابوالاعلیٰ، اسلامک ریاست، اسلامک پبلی کیشنز لاہور،، اولی الامر کے اوصاف، ص 645-
- 20 مفتی ثناء اللہ محمود، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز تربیت، دارالاشاعت کراچی، ص 228-
- 21 جابہ ملک شام کے علاقہ میں واقع ہے جہاں سیدنا عمر نے جنگ یرموک کے بعد ایک تاریخی کانفرنس بلائی اور خطبہ دیا۔ دیکھیے! تاریخ دمشق، ابن عساکر 2/167-

- 22 الماوردی، ابو الحسن علی بن محمد، النکت والعیون، دارالکتب العلمیہ، بیروت لبنان، 505/5۔
- 23 سنن ابوداؤد حدیث نمبر: 4354، صلاح الدین یوسف، احسن البیان ص 589، سورۃ یوسف۔
- 24 شبلی، الفاروق، ص 191۔
- 25 ابن تیمیہ، السیاسة النبویة، ص 8۔
- 26 ایس ایم ظفر، کتاب عوام پارلیمنٹ، الفیصل ناشران و تاجران، لاہور، ص 102۔
- 27 العدلونی، د/ محمد اکرم العدلونی، القائد الفعال، قرطبہ للانتاج الفنی ریاض سعودی عرب، 21/1۔
- 28 السیاسة الشرعیة، ص 8۔
- 29 امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ ابی بکر ابن اقیم الجوزیہ، الطرق المحمیدیہ، مجمع الفقہ الاسلامی، جدہ۔ 626/2۔
- 30 الترتیب الاداریہ، 23/1۔
- 31 ابن عبد البر، أبو عمرو یوسف بن عبد اللہ بن محمد، الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب، دار الحلیل، بیروت، 1319/3۔
- 32 الشافعی، الامام محمد بن ادریس، الام، دار الوفاء، مصر، 187/1۔
- 33 صحیح مسلم، کتاب الرقاق، حدیث نمبر: 2742۔
- 34 ابون، ڈاکٹر احمد ابراہیم، الادارۃ فی الاسلام، دار الثقافۃ للطباعة والنشر، ریاض، ص 43۔
- 35 حوالہ سابقہ۔
- 36 صحیح مسلم، حدیث نمبر: 2363۔
- 37 بیہقی، نور الدین علی بن ابوبکر، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ج 4، ص 101۔
- 38 مجمع الزوائد، ج 8، ص 191۔ یہ حدیث حسن کے درجے میں ہے کیونکہ اس کی سند میں کلیب الجہنی ہے جو ثقہ راوی نہیں ہے۔
- 39 ابن الجوزی، صفحہ الصفوۃ، دارالکتب العربی، لبنان، ط 2012، ص 101۔
- 40 السیاسة الشرعیة، ص 16۔
- 41 سورۃ الانفطار/ 10-12۔
- 42 البخاری، الامام محمد بن اسماعیل، صحیح الادب المفرد، تخریج الالبانی، ناصر الدین، دارالصدیق للنشر، التوزیع، بیروت،، حدیث نمبر: 6188۔
- 43 سورۃ المؤمنون/ 8۔
- 44 احمد، الامام احمد بن حنبل، المسند، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، حدیث نمبر: 12406۔
- 45 حوالہ سابقہ۔
- 46 نصیحة الملوک، ص 194۔
- 47 صحیح البخاری، کتاب الاحکام، حدیث نمبر: 6729۔